مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ محمد اقبال کا باہمی تعلق

ڈاکٹر خالد عثمان حقانی

تمہید:......ایک اچھے انسان کی حیثیت سے ہر ایک آدمی کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے، لیکن اگر وہ اختلاف رائے غلط فہمی پر مبنی ہو اور فریقین کا آپس میں اختلاف اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا ہو تو پھر اس اختلاف کو ہوا دینا یہ ایک اچھے مسلمان کی صفت نہیں ہو سکتی، بعینہ یہی معاملہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور علامہ محمد اقبال مرحوم کے درمیان ہوا، اب اگر ایک تیسرا آدمی علمائے حق کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنی آخرت خراب کرنے کے لئے اسی بات کو آڑ بنا کر تلبیس سے کام لیتا ہے، یہ بہت بری بات ہے، آج دنیا میں نہ علامہ اقبال ہیں اور نہ مولانا حسین احمد مدنی، وہ پرانی بساط تمام تر لپٹ چکی ہے، اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، لیکن ان اکابر کی موت کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اگر کوئی آدمی ایک کی آڑ میں دوسرے کو برا بھلا کہتا ہے، بہر حال وہ اچھے اخلاق سے متصف نہیں ہو سکتا۔

پھر ہمیں تو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم و تلقین بھی ہے کہ اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم (۱) یعنی ''اپنے مردوں کی نیکیاں ذکر کرو اور ان کے برے کاموں سے اپنی زبان بند رکھو''۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ بزرگوں کو معبود بنا لیں اور انہیں تنقید سے بالاتر سمجھیں، لیکن مذکورہ حدیث کا اصول بالعموم یہ ہوگا کہ عام طور پر ان کا ذکر خیر اور بھلائی سے کرو، ان کی برائی کو بیان کرنے سے رک جاؤ، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، کیوں کہ ان کو اپنے اچھے اعمال اور اقوال کی جزا مل رہی ہے اور اسی طرح ان کے برے اعمال اور اقوال کی ان کو سزا مل رہی ہے، بس ان کے لئے یہی کافی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ فإنھم قد افضوا إلیٰ ما قدموا (۲) یعنی ''انہوں نے جو عمل کیا تھا، اس حد تک وہ پہنچ چکے ہیں۔'' اب تم خواہ مخواہ ان کے بارے میں زبان طعن دراز کرو تو اس کا کیا حاصل؟ ﴿تلك امة قد خلت لھاما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسألون عما كانوا یعملون﴾ (۳) یعنی ''وہ

ایک جماعت تھی، جو گزر چکی، سو ان کو ان اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال کا اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرستش تم سے نہیں ہوگی۔"

مختصر تعارف:..... مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت سیاسی، علمی اور مذہبی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، نام سنتے ہی پس منظر میں یہ ساری چیزیں آجاتی ہیں کہ ایک ایسا مشہور و معروف عالم دین، شیخ الہند رحمہ اللہ کا جانشین، دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث، صداقت اسلام کی دلیل، لاکھوں سرفروشوں کے سیاسی رہنما، جس نے ساری عمر دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کیا، جس نے ساری عمر کلمۂ حق کہا، جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا، جس کی عظمت پر آج بھی مالٹا گواہی دے رہا ہے اور کتنے شہروں کی جیلیں آج بھی اس کی آہِ سحر گاہی اور قرآن الفجر کی برکات سے مالا مال ہیں، جس نے ایک دو نہیں، پورے چودہ سال تک حرم نبوی میں حدیث نبوی کا درس دیا۔(۴)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے سیاسی نظریات کے ساتھ بہت سے لوگوں نے ان کی زندگی میں بھی اختلاف کیا اور ان کے وصال کے بعد بھی ان پر تنقید کا سلسلہ جاری رہا، مگر جہاں تک ان کی شخصی عزت و احترام، علمی فضل و کمال اور اخلاص و حسن نیت کا تعلق ہے، ان کے سخت ترین سیاسی مخالفین نے بھی ان کا اعتراف کیا۔

اسی طرح علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ایک مفکر اسلام، مسلمانوں کو شکست خوردہ ذہنیت سے نجات دلانے والا، ملت اسلامیہ کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا اور فکری حیاتِ نو بخشنے والا، اسلام کی نشاۃِ جدیدہ کا نقیب، اپنی نظم و نثر سے احیائے اسلام کا داعی، کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے درخشندہ آفتاب کی حیثیت سے مسلم ہے، اقبال ہی وہ شخص ہے، جس نے لٹے ہوئے کارواں، ایک برہم شدہ انجمن، ایک زوال آمدہ ملت اور ایک منتشر جماعت کو جھنجھوڑا، جگایا، سنبھالا اور پھر اسلام کے ابدی اصولوں کے رشتے میں پرو کر بلند مقاصد اور اعلیٰ نصب العین کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے پر اکسایا، رب ذوالجلال نے ان کو جن صلاحیتوں سے نوازا تھا، اس نے خدمتِ اسلام، دعوتِ دین اور استحکام ملت کے لئے استعمال کیا، اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ اقبال ایک حکیم، فلسفی اور شاعر کی حیثیت سے دعوتِ دین کے منفرد شخص ہیں۔

علامہ محمد اقبال دورِ حاضر کے نام نہاد دانشوروں کے برعکس علماء کا بے حد احترام کرتے تھے، علامہ کے نزدیک علماء ہمیشہ اسلام کے لئے ایک قوت اور عظیم سرچشمہ رہے ہیں، ایک بار سید نذیر نیازی کی اس بات پر کہ آپ نے اسلام کی عقلی تعبیر میں نفس انسانی یا کسی اور مابعد الطبیعی مسئلہ حیات بعد الموت یا زمان و مکان کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، علمائے اسلام بظاہر ان سے بیگانہ نظر آتے ہیں، علامہ نے کہا:

"یہ کہنا کہ علمائے اسلام ان حقائق سے بے خبر تھے، صحیح نہیں، وہ اس سلسلے میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں، ان کی نظر ہر بات پر تھی، وہ تہذیب و تمدن اور اجتماع و عمران کے مسائل سے غافل تھے، نہ علم و حکمت اور مابعد الطبیعی افکار سے، جس میں قرآن مجید نے ان کی رہنمائی کی، یہ انہیں کا تو کہنا تھا کہ قرآن مجید خلاصۂ کائنات ہے۔"(۵)

باہمی تعلق:...... کہیں اگر ڈاکٹر محمد اقبال علماء پر تنقید کرتا ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ اس سے دنیا پرست اور نام ونہاد مولوی پر تنکیر کرتے ہیں، نہ کہ تحقیر اور علمائے دیو بند کو انہوں نے پہلے سے مستثنیٰ کیا ہے، جیسا کہ ایک بار فرمایا:

''دیو بند ایک ضرورت تھی، اس سے مقصود تھا ایک روایت کا تسلسل، وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے۔''(۶)

ایک موقع پر فرمایا: ''ہم مذہب کو تمام چیزوں سے بالاتر سمجھتے ہیں اور علمائے کرام کو اپنا حکم سمجھتے ہیں، جمعیت علمائے ہند جو کچھ فیصلہ کرے گی، وہی ہماری رائے ہے، ہم اسلام پر سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔''(۷)

مولانا قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار کسی نے علامہ سے پوچھا کہ یہ دیو بندی کیا کوئی فرقہ ہے؟ کہا: ''نہیں ہر معقول پسند دیندار کا نام دیو بندی ہے۔''(۸)

اور دوسری طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر میں علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کا یہ مقام ہے، چنانچہ فرمایا:

''یہ امر یقینی اور ناقابل انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی اور ان کے کمالات بھی غیر معمولی تھے، وہ آسمان حکمت، فلسفہ، شعر وسخن، تحریر وتقریر، دل ودماغ اور دیگر کمالات علمیہ وعملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔''(۹)

مسلم لیگ اور جمعیت علمائے دیو بند کا اختلاف کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن ان کے باہمی تعلق اور عقیدت کے لئے ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ مسلم لیگ کے ابتدائی ممبر ہی نہ تھے، بلکہ قائد اعظم کے بہت بڑے مداح بھی تھے، جب علامہ مرحوم ریاست بھوپال کے قاضی القضاۃ تھے تو آپ نے مولانا ظفیر الدین (مفتی دار العلوم دیو بند) سے ایک دینی معاملہ میں رہنمائی طلب کی تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''حضرت مولانا مدنی دامت فیوضہم کے مقابلے میں میرا نام لینا صرف آپ کی چشم محبت کا کرشمہ ہے، ورنہ میں تو ان کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں، چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک، میرے پاس حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی نسبت کے سوا کچھ نہیں۔''(۱۰)

قیام پاکستان کے بعد اکابرین دیو بند کے جذبات:...... بعض لوگ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے پاکستان بننے سے پہلے ان کے کچھ ملفوظات نقل کرکے کیچڑ اچھالتے ہیں، کیوں کہ ان کو تصویر کا دوسرا رخ نظر نہیں آتا، جب کہ آپ نے پاکستان بننے کے بعد ارشاد فرمایا تھا:

''کسی نے ایک مجلس میں پوچھا کہ حضرت! پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے تو حسب معمول سنجیدگی و بشاشت سے فرمایا کہ ''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اب وہ بن گئی تو مسجد ہے۔''(۱۱) یعنی پھر اختلاف نہیں کیا جاسکتا اور اس کی ایک ایک اینٹ کی حفاظت ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہوتا ہے۔

مقصد یہ کہ پاکستان کے قیام سے قبل ہمارا اس سے اختلاف تھا، لیکن چوں کہ پاکستان اب معرض وجود میں آگیا

ہے، لہٰذا اس کی حفاظت اور اس کی ترقی و استحکام کے لئے کوشش کرنا ہم سب کا دینی فریضہ ہے۔ (۱۲) اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم قیام پاکستان کے حق میں نہ تھے، لیکن جب ان کی خواہش کے علی الرغم پاکستان قائم ہو گیا تو انہوں نے فرمایا: ''پاکستان ایک تجربہ ہے، اسے اب کامیاب ہونا چاہئے۔''

غلط فہمی:...... یہ قصہ جو غلط فہمی کا پیش خیمہ بنا، یا بنایا گیا، اصل مقصد ان کا یہ تھا کہ اغیار کو خوش کرنے کے لئے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی کردار کشی بہانا تھا، آیئے اس کو حقیقی رنگ میں دیکھتے ہیں:

۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی شب میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے صدر بازار دہلی متصل پل بنگش کے ایک جلسے میں تقریر فرمائی، جس کا بڑا حصہ ۹ جنوری کے روزنامہ ''تیج'' اور ہفت روزہ ''انصاری'' دہلی میں شائع ہوا، چند روز کے بعد ہفت روزہ ''الامان'' اور ''وحدت'' دہلی نے ساری تقریر کو قطع و برید کے ساتھ اپنے صفحات میں جگہ دی، ان پرچوں سے روزنامہ ''زمیندار'' اور ''انقلاب'' لاہور نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے حضرت اقدس کی طرف منسوب کر دیئے کہ حسین احمد دیوبندی نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ ''چوں کہ اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔''

جلسے کی روئیداد ہفت روزہ ''الامان'' کے مدیر اعلیٰ مولانا مظہر الدین نے علامہ اقبال کو سنائی، جب یہ اطلاع علامہ اقبال کے کان میں پڑی تو انہوں نے حضرت اقدس سے استفسار یا تحقیق کئے بغیر تین اشعار سپرد قلم کر دیئے۔ (۱۳) جو آگے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی تحریک آزادی کے دھارے میں شامل کرنا چاہتے تھے، ان کی یہ کوشش مکمل نیک نیتی پر مبنی تھی، اس میں ایک حد تک انہیں کامیابی بھی ہوئی تھی، کیوں کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے یہ فرمایا تھا کہ ''ہندو ہو یا مسلمان، دوسرے ملکوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، ہندوستانی قوم کو ذلیل سمجھا جاتا ہے کہ وہ انگریز کی غلام ہے، آج کل قومیں وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں۔'' مولانا مدنی رحمہ اللہ کا بیان ایسا ہی تھا، جیسے آج پاکستانی قوم کو متحد رکھنے کے لئے کوئی رہنما یوں کہے: ''پاکستانی باشندے مسلمان ہو یا عیسائی، دوسرے ملکوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا، سب انہیں پاکستانی ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں، اس لئے کہ قوموں کو وطن کی بنیاد پر پہچانا جاتا ہے۔'' اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوگا، مگر سننے والوں نے مولانا حسین احمد رحمہ اللہ کی بات کو غلط رنگ دیا، اس غلط فہمی کی بنا پر علامہ اقبال نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلاف یہ اشعار پڑھے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں، ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است (۱۴)

ازالہ:...... مندرجہ بالا اشعار چھپتے ہی پورے ہندوستان میں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلاف کردار کشی کی

ایک مہم شروع ہوگئی، اگرچہ اس غلط فہمی کے ازالے کے لئے علامہ اقبال کے ان اشعار کا جواب اقبال احمد سہیل نے پوری ایک نظم لکھ کر دیا۔ (یہاں وہ اشعار مضمون کو مختصر کرنے کی بناء پر نقل نہیں کیے گئے) وہ نظم ''سید حسین احمد مدنی ایک شخصیت ایک مطالعہ'' کے ص ۳۲۱، ۳۲۲ پر موجود ہے۔ (۱۵)

اسی طرح ہندوستان کے نامور ادیب اور دانشور علامہ طالوت، حضرت مدنی سے والہانہ عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال سے بھی قریبی مراسم رکھتے تھے، اس صورت حال سے وہ سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو خط لکھ کر ان پر لگائے جانے والے الزامات کا جواب چاہا، حضرت مدنی نے علامہ طالوت (۱۶) کو جواب دیتے ہوئے ان الزامات کی مکمل تردید کی اور دوٹوک دلائل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کی، بعض اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک

آپ کے والا نامہ نے مجبور کیا کہ حقیقت واضح کی جائے، میں نے بعض ضروری مضامین کے ملکی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو میں نے کہا ''موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں، دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک شمار کئے جاتے ہیں، حالاں کہ ان میں یہودی بھی ہیں، نصرانی بھی ہیں، پروٹسنٹ بھی، کیتھولک بھی، یہی حال امریکا، جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے'' ...... جو لوگ جلسہ کو درہم برہم کرنے آئے تھے، انہوں نے شور مچانا شروع کردیا، میں اس وقت یہ نہ سمجھ سکا کہ شور کی وجہ کیا ہے، جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور دو چند آدمی جو کہ شور وغوغا چاہتے تھے، سوال و جواب دیتے رہے اور ''چپ رہو'' کے الفاظ سنائی دیئے، اگلے روز ''الامان'' وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے، مذہب سے نہیں ہوتی اور اس پر شور وغوغا ہوا، اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارات میں سب وشتم چھاپا گیا، کلام کی ابتداء اور انتہا کو حذف کردیا گیا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے، میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب وملت کا دارو مدار وطنیت پر ہے، یہ افترا اور دجل ہے، جن لوگوں نے تقریر کو من وعن نقل نہیں کیا، اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں، اس قسم کی تحریفیں اور سب وشتم ان کے فرائض منصبیہ میں سے ہی ہیں، مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا، ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے، ان سے میری خط وکتابت نہیں، مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا ان کی عالی بارگاہ تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ (ملخص) (۱۷)

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مدنی نے عوامی جلسے میں تقریر کی تھی نہ کہ فتویٰ دیا تھا، اہل علم حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ فتویٰ اور تقریر میں اعتبارات کا بڑا فرق ہوتا ہے، غور کرنے کے بعد یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے تقریر میں لفظ قومیت کا کہا ہے، ملت کا نہیں کہا ہے، دونوں لفظوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ملت

کے معنی شریعت اور دین کے ہے اور قوم کا معنی مردوں اور عورتوں کی جماعت کے ہے، جیسا کہ لغت کی مشہور کتاب ''قاموس المحیط'' میں لکھا ہے:

"ملة "بالکسر شریعة الدین و"القوم" الجماعة من الرجال والنساء معاً۔(۱۸)

علامہ طالوت کا خط جب علامہ اقبال کو ملا اور ان کو صحیح صورت حال کا پتہ چلا، پھر انہوں نے حقیقت حال واضح ہونے کے بعد ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو روزنامہ ''احسان'' لاہور سے یہ بیان شائع فرمایا:

''مولانا مدنی اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں، میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔''(۱۹)

اور اس رجوع کے ۲۳ دن بعد ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال مرحوم کا انتقال ہوا، ان کے آخری کلام کا مجموعہ بنام ''ارمغان حجاز'' ان کی وفات کے بعد نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تو ان اشعار کو بھی اس مجموعہ کے آخر میں درج کر دیا گیا۔(۲۰)

''اقبال کا سیاسی کارنامہ'' نامی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ اقبال نے ان اشعار کو شائع کرنے کی ممانعت فرمادی تھی، مگر ان کی وفات کے بعد چوہدری محمد حسین (جن کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ لاہوری مرزائی تھا، واللہ اعلم) کی زیرنگرانی ''ارمغان حجاز'' طبع ہوئی تو اس میں یہ اشعار بھی طبع کر دیئے گئے تھے۔(۲۱) اگر علامہ اقبال زندہ ہوتے اور ''ارمغان حجاز'' ان کی ترتیب وتدوین سے شائع ہوتی تو یہ اشعار کبھی بھی اس میں نہ ہوتے، علامہ اقبال شخصیات کی مدح وقدح سے بالا وبلند تھے اور عمر کے آخری دور میں یہ چیزیں ان کے تصور ہی سے عنقا ہو چکی تھیں، انہوں نے اس طرز کے تمام اشعار اپنے کلام سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دیئے تھے۔

اگر مرتبین اتنے ہی دیانتدار تھے تو علامہ کے کچھ اور بھی اشعار کسی مجموعہ میں شامل کر لیتے، مثلاً علامہ محمد اقبال نے علی برادران کی رہائی پر جو اشعار لکھے، وہ مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ امرتسر میں پڑھ کر سنائے، لیکن ''بانگ درا'' میں، جب کہ ان کا ابتدائی دور تھا، شائع کئے تو علی براداران کا ذکر نہ کیا، اسی طرح مہاتما گاندھی کی تعریف میں چھ اشعار لکھے، جس میں انہیں ''مرد پختہ کار وحق اندیش وباصفا'' سے مخاطب کیا، وہ اشعار ۱۳ نومبر ۱۹۲۱ء کے روزنامہ ''زمیندار'' میں چھپ چکے ہیں۔

علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری ایام میں قائد اعظم کے ساتھ تھے، لیکن ۹ نومبر ۱۹۲۱ء کے روزنامہ ''زمیندار'' میں محمد علی جناح سے بھی پانچ شعروں میں چٹکی لی، وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر　اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہہ رہے گی بتا ہمیں　اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح

دل سے خیال دشت و بیاباں نکال دے — مجنوں کے واسطے ہے یہی جادۂ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب — اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظر ما رسیدہ است — یعنی حجابِ غیبت کبریٰ دریدہ است (۲۲)

اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں علامہ نے دہلی کی وار کانفرنس میں نو بند کی ایک مسدس لکھ کر سنائی، جس میں شہنشاہ انگلستان سے متعلق دو بند قصیدے بھی شامل ہیں۔(۲۳) اسی طرح علامہ مرحوم کے کئی اشعار ایسے ہیں، جو نہ صرف ان کی زندگی میں کہے گئے، بلکہ اخبارات اور رسائل میں بھی شائع ہوئے، مگر وہ اس طرح محو کردیئے گئے کہ آج عام لوگوں کو ان کا علم ہی نہیں، جیسا کہ رام چندر کی تعریف میں آپ نے چھ اشعار کی ایک نظم کہی، جس کا ایک شعر یہ بھی ہے:

ہے رام کے وجود پر ہندوستاں کو ناز — اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امام ہند

جس پر مسجد وزیر خان کے خطیب مولانا ابو محمد سید دلدار علی شاہ نے کفر کا فتویٰ صادر کردیا تھا۔(۲۴)

اسی طرح علامہ اقبال نے حافظ شیرازی کی کتاب "لسان الغیب" (جن کو تصوف اور احسان میں ایک عظیم مقام حاصل ہے) پر ۳۵ اشعار میں سخت تنقید کی تھی، جو ان کی پہلی تصنیف "مثنوی اسرارِ خودی" مطبوعہ ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی، مگر انہوں نے علمائے کرام اور مشائخ عظام کے دباؤ سے مرعوب ہو کر اسے ہمیشہ کے لئے اس کتاب سے خارج کردیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ جذباتی ہونے کے باوجود ضدی نہ تھے، جوں ہی انہوں نے کسی کلام کو بھی کسی لحاظ سے غیر موزوں اور نامناسب سمجھا تو اس سے رجوع کرنے یا اپنے کلام سے خارج کرنے کو عار نہیں سمجھا اور یہ بہت بڑا اخلاقی پہلو ہے۔(۲۵)

جب یہ تمام نظمیں شاعرانہ محاسن کے باوجود علامہ نے اپنے کسی مجموعہ میں شامل نہیں کیں تو مولانا حسین احمد مدنیؒ سے متعلق تین اشعار کا "ارمغان حجاز" میں شامل کئے جانا فی الواقع سیاسی مذاق اور ذہنی حادثہ ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علامہ اقبال، حضرت مدنی سے سیاسی اختلاف کے باوجود ان کی ملی خدمات اور دینی حمیت کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ قدردان بھی تھے، علامہ اقبال چوں کہ ان درویشوں کی حقیقت اور حقانیت کو جانتے تھے، اس لئے تو حکمرانوں کو مخاطب کر کے ۱۹۲۲ء میں ایک پیغام جاری فرمایا:

"ان مکتبوں (مدرسوں) کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان ہی مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء باب الاجوش کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرو اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ تاج محل اور دہلی کے لال قلعے کے سوا سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔" (۲۶)

اور اسی تناظر میں ضربِ کلیم کے ان اشعار کو بعنوانِ ''ابلیس کا پیغام اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' دیکھا جائے، فرمایا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو!
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج　　ملا کو ان کے کوہ و دامن سے نکال دو!
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو　　آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو! (۲۷)

مولانا مدنی کی اس تقریر کے حوالے سے جن لوگوں نے مولانا کی شان میں گستاخی کی ان میں سے ایک آدمی (پروفیسر یوسف سلیم چشتی) کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، لکھتا ہے:

''اس تحریر سے دو مقاصد میرے پیش نظر ہیں، پہلا مقصد تو یہ ہے کہ گزشتہ زندگی ۱۹۳۷ء تا ۱۹۵۴ء میں مجھ سے جس قدر گستاخیاں حضرت اقدس مجاہد اعظم، شیخ الاسلام، آیۃ من آیت اللہ الصمد، سیدی و شیخی وسندی الحاج الحافظ المولوی السید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی شان رفیع البنان میں سرزد ہوئی ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے غیر مشروط انداز میں اظہارِ ندامت اور اعترافِ تقصیر اور اقرارِ جرم کروں اور بارگاہِ ایزدی میں صدق دل سے استغفار کروں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ایک اہم تاریخی واقعہ کی وضاحت کردوں اور حقائق کو ان کی اصل شکل میں پیش کردوں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے محض اخباری اطلاع کی بنا پر تین اشعار سپرد قلم کئے تھے، جن کی وجہ سے علمی اور دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا تھا، جناب طالوت نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول ومنعطف کرائی کہ حضرت اقدسؒ نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دیا تھا کہ وطن کو اساسِ ملت بنالو، اس لئے دیانت وعدالت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اعلان کردیں کہ اب مجھے حضرت مولانا حسین احمد صاحب پر اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم کا یہ اعلان روزنامہ ''احسان'' لاہور میں ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا لیکن قوم کی بدقسمتی سے ۲۱ اپریل کو ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوگیا جبکہ ان کا آخری مجموعہ کلام موسوم ''ارمغانِ حجاز'' نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا، اگر یہ مجموعہ ان کی زندگی میں شائع ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ ان تین اشعار کو حذف کردیتے یا حاشیے میں اس حقیقت حال کو واضح کردیتے کہ میں نے یہ اشعار غلط اخباری اطلاع کی بنا پر لکھے تھے، بعد ازاں حضرت مولانا نے اخباری رپورٹ کی تردید کردی، اس لئے ان اشعار کو کالعدم یا مسترد سمجھنا چاہئے لیکن افسوس کہ یہ مجموعہ ان کی وفات کے بعد شائع ہوا، اس لئے ان اشعار کو حذف کیا گیا اور نہ حاشیے میں حقیقت حال کو واضح کیا گیا۔

نتیجہ اس غفلت اور کوتاہی کا یہ نکلا کہ گزشتہ تیس سال سے مسلمانانِ عالم بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان بالخصوص ان اشعار کی بناء پر حضرت اقدسؒ سے بدگمان ہوتے چلے آرہے ہیں، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کی اصلاحِ خیال کا فریضہ بھی انجام دے دوں، تاکہ وہ سوءِ ظن کے گناہ سے محفوظ ہوجائیں، میں ان اشعار کو تو خارج نہیں کرسکتا، مگر مسلمانوں کو یہ تو بتاسکتا ہوں کہ حضرت اقدسؒ نے اپنی تقریر میں نہ تو یہ فرمایا تھا کہ ملت کی بنیاد وطن ہے اور نہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وطن کو اپنی ملت کی بنیاد بنالو، یہ اشعار بلاتحقیق حال سپرد قلم ہوگئے تھے، چنانچہ جب ڈاکٹر صاحب پر حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے تھے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے اور میری اس تحریر کو عامۃ المسلمین کے لئے نافع بنائے۔ آمین'' (۴۸)

یہ اعلانِ توبہ اور اقرار کسی عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک کٹر مسلم لیگی، کلام اقبال کے شارح، قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد علیہ اور انجمن حمایت اسلام کے قائم کردہ اسلامیہ کالج کے پرنسپل ہیں، اس لئے خالی الذہن ہوکر، تمام تعصبات سے بالاتر ہوکر، ہر طرح کی سیاسی وابستگیوں سے کچھ وقت کے لئے الگ ہوکر اس مذکورہ بالا توبہ نامہ کے ایک ایک لفظ کو پڑھیں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ الفاظ حضرت مدنی کے کسی شاگرد، مرید، معتقد یا کسی کانگریسی مولوی کے نہیں، اس کے باوجود بھی بعض لوگوں کو حضرت مدنی کی شخصیت ہضم نہیں ہورہی ہے۔

خلاصہ:......مذکورہ بالا مضمون کا حاصل یہ نکلا کہ علامہ اقبالؒ جب حقیقت حال سے مطلع ہوئے تو فوراً اپنے اشعار سے رجوع فرمالیا، لہٰذا ان کے وہ اشعار بھی جن میں حضرت مدنی رحمہ اللہ پر تنقید کی گئی تھی، کالعدم ہوچکے ہیں، جس طرح کوئی مصنف یا دانشور اپنے کسی سابقہ قول سے رجوع کرلے تو اس قول کو اس کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے اور ان سابقہ خیالات پر مشتمل اس کے اشعار کو بھی اس کے نظریات قرار نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا علامہ اقبال کی جانب سے حضرت مدنی پر اپنے اشعار میں لگائے گئے الزامات کے اعلانیہ رجوع کے بعد کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی عظمت کو داغدار کرنے کے لئے علامہ محمد اقبالؒ کا نام استعمال کرے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم ۱۹۳۸ء میں اس دارِ فانی سے ابدی زندگی کی طرف کوچ کرگئے جبکہ مولانا مدنی رحمہ اللہ ۱۹۵۷ء میں رحلت فرماگئے، کس فرد یا اس کی جماعت نے انگریزوں سے نجات اور محنت اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لئے محنت کی اور کس نیت سے کی، یہ معاملہ اب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہی علیم و خبیر قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ فرمائیں گے۔

مذکورہ صحیح صورت حال اور حقیقت کشائی کے بعد اگر کوئی قلم دراز یا زبان دراز ان اشعار کو آڑ بنا کر حضرت مدنی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء پر نشتر زنی کرتا ہے تو وہ اپنی گندی ذہنیت کا ثبوت دیتا ہے، وہ نہ صرف پاکستان کی فضا سے غلط فائدہ

اٹھاتا ہے بلکہ علامہ اقبال مرحوم کی روح کو بھی صدمہ پہنچانے کا مرتکب ہوتا ہے، اس قسم کے غلط کار لوگ پاکستان میں غالباً یہ تصور کیے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی تاریخی کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی کالک اپنے چہرے پر مل رہے ہیں۔

یہ پروپیگنڈہ غیروں کی ایک سازش ہے، ان کو یہ اشعار تو نظر آتے ہیں اور باقی وہ اشعار، جو علامہ نے قوم کو جھنجھوڑنے کے بارے میں، غیروں کی تہذیب کا اسلامی تہذیب کے ساتھ تقابلی جائزہ لینے اور اسی طرح ''اقبال کے پاکستان'' میں مطالبہ اور غدارانِ اسلام جیسے سنہری حروف اور مردہ ضمیروں کو جگانے والے اقوال زریں ہیں، ان سے بالکل صرف نظر کیوں؟ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنی آنکھوں کی شہتیر نظر نہیں آتی اور دوسروں کی آنکھوں میں تنکا نظر آتا ہے۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

ہمیں چاہئے کہ اپنے کردار وعمل کی انفرادی اصلاح کے ساتھ اپنے مذہب، اپنے ملک وقوم کی تعمیر وترقی ان کے قیام و دفاع پر توجہ دیں، نہ یہ کہ نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی اصل مقصد سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر بے موقع اور بے محل ان کا رُخ ماضی کی طرف موڑنے کی کوشش کریں، مجھے واثق امید ہے کہ اس تفصیل اور تحقیق کے بعد ان شاء اللہ اس بحث وتمحیص کو آئندہ کے لئے موضوع سخن نہیں بنایا جائے گا، مضمون کو علامہ کے فکر انگیز اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
محفلِ نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ رنگ پر جواب نہ آئیں اُن فسانوں کو نہ چھیڑ

☆......☆......☆

حوالہ جات

(۱)......سنن ابی داؤد: سلیمان بن اشعث ''باب في النهي عن سب الموتى'': دار الکتاب العربی، بیروت س-ن: ص ۴۲۶: ج ۴، صحیح ابن حبان: محمد بن حبان، تمیمی، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت س- ن: ص ۲۹۰: ج ۱ (۲)......مساوی الاخلاق ''باب لاتسبوا الأموات'': ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت ۱۹۹۳ء: ص ۹۷، معجم ابن الاعرابی: ''باب لاتسبوا الأموات'': سعید احمد بن محمد المعروف بابن الاعرابی: دار ابن جوزی طبعہ اولی ۱۹۹۷ء: ص ۲۷۵ (۳)......البقرہ ۲: ۱۴۱ (۴)......اقبال کے ممدوح علماء: قاضی، افضل حق قرشی: مکتبہ محمودیہ کریم پارک، لاہور ۱۹۷۸ء: ص ۸۷ (۵)......اقبال کے حضور: نذیر نیازی، سید: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء: ص ۱۷۲ (۶)......اقبال کے حضور: ص ۲۹۳ بحوالہ اقبال کے ممدوح علماء: قاضی، افضل حق قرشی، مکتبہ محمودیہ کریم پارک، لاہور ۱۹۷۸ء: ص ۱۶ (۷)......اقبال اور دعوت دین: حیران خٹک: دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،